خصوصی تبصرہ

تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند

(از سیّد ہاشمی فرید آبادی)

تبصرہ از جناب آسی ضیائی پرنسپل (ریٹائرڈ)

مولوی محمد حسین آزاد پر نقاد معترض ہوتے ہیں کہ وہ تاریخ جیسے سنجیدہ موضوع میں بھی شاعرانہ انشاء پردازی کے جوہر دکھاتے ہیں جس سے تاریخ، تاریخ کے بجائے افسانہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد برصغیر کی یہ تاریخ اس اعتراض کو قریب بھی نہیں آنے دیتی۔ اس کا پڑھنے والا ایک مسلسل داستان یا ناول کی طرح اسے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ نئے نئے حقائق و واقعات اس پر منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں، غیروں کے پیدا کردہ شکوک و اعتراضات رفع ہوتے چلے جاتے ہیں، اور روانیٔ کلام کی بدولت ایک ایک بات شربت کے گھونٹ کی طرح ذہن میں اُترتی چلی جاتی ہے اور پھر جب آخری صفحے پر پہنچ کر وہ جیسے ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھ کر چونکتا ہے تو بیساختہ اس کا دل کہتا ہے "بس؟ اتنی مختصر؟ کاش، ابھی کچھ دُور تو اور چلتی!"

سیّد ہاشمی فرید آبادی کی یہ تاریخ، جسے اب اس کے اصل نام (تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت) سے مختصر کر کے نیا نام دیا گیا ہے، پہلی بار ۱۹۵۰ء (جلد اوّل) اور ۱۹۵۳ء (جلد دوم) میں شائع ہوئی تھی۔ ایک فاضل نے اس کو پڑھ کر اس پر یہ تبصرہ کیا کہ یہ تاریخ کی "جوامع الکلم" ہے۔ ایک اور بزرگ نے اسے "اُمّ التواریخ" کہنا پسند کیا۔ بہر حال یہ تو ماننا پڑتا ہے کہ برصغیر پر لکھی جانے والی دوسری تمام تاریخوں

سے یہ مختلف ہے۔ یہ بادشاہوں اور سرداروں کے بجائے اُن مسلمانوں کی تاریخ ہے جو محمد بن قاسم کے جلو میں پہلی بار یہاں آئے۔ اور بعد کی صدیوں میں قیامِ پاکستان تک آآ کر بستے رہے۔ ان کا نظام ملک گیری و فرمانروائی۔ اُن کی بدلتی ہوئی بود و باش، اُن کے معاشی اور جمالیاتی مشاغل، اُن کے رہنے، کھانے اور پہننے کے طور طریقے، اُن کی کارگزاریاں اور بداعمالیاں ـــ غرض اُن کی بارہ صدیوں پر محیط زندگی کے ہر گوشے کی قلمی تصویریں کھینچتی ہوئی یہ کتاب اپنے ناظر کو ۱۹۵۳ء تک لے آتی ہے۔ ادارۂ معارفِ اسلامی نے اس میں بعد کے ہونے والے سانحے (پاکستان کے دو پارہ ہونے) کی طرف چند سطروں میں اشارہ کر کے تاریخ کا ریکارڈ مزید درست کر دیا ہے، جس کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے خود صاحبِ کتاب ہی دنیا میں موجود نہ رہ سکے۔

مصنّف علام چونکہ اعلیٰ پائے کے فاضل، محقق، شاعر اور صاحبِ دل بزرگ تھے، اور اس سے پہلے بھی متعدد مختصر تاریخی کتب اُن دنوں میں لکھ چکے تھے جب وہ ریاست حیدر آباد دکن کے دارالترجمہ سے وابستہ تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف اس کی تدوین میں قدیم و جدید مسلمان مورخوں کی عربی و فارسی تواریخ (طبری، مقریزی، برنی، بدایونی وغیرہ) نیز انگریز مؤرخین کے "طوماروں" (گبن، الفنسٹن، وی اسمتھ، مورلینڈ، آکسفورڈ اور کیمبرج ہسٹریز، امپیریل گزٹیر، وغیرہ) کو اچھی طرح کھنگالا ہے بلکہ انہیں پورے غیر جانب دار بن کر پرکھا ہے، ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اور ایک مسلمان بن کر ان مسلمانوں کی تاریخ تحریر کی ہے۔ اس کا تجربہ انہیں پہلے سے تھا۔ (ملازمتِ حیدر آباد کے دوران میں)، اور اس سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ اس طرح یہ تاریخ ایک قابلِ اعتماد، شفاف آئینہ بن گئی ہے۔ جس میں بارہ صدیوں کے مسلمان اس برصغیر میں چلتے پھرتے، ہنستے گاتے، لڑتے مرتے نظر آتے ہیں۔ اس کا پہلا حصّہ (جس کا نام خود مصنّف مرحوم نے "عہدِ کشورکشائی" رکھا ہے) محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ (۹۲ھ/۷۱۲ء) سے شروع ہو کر

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک کے واقعات پر مشتمل ہے، جب کہ دوسرے حصے میں (جس کا نام مصنف نے "تحریکاتِ ملی" رکھا تھا) قیامِ پاکستان کے حالات درج ہیں، اور قاری کو اس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ پاکستان کا وجود میں آنا ایک فطری اور ناگزیر "حادثہ" تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مؤقر تصنیف کے ادبی اور ثقافتی مذاق کی کچھ جھلکیاں دکھا دی جائیں:

جلد اوّل سے:

۱۔ "محمد بن قاسم نے حجاج سے اجازت منگائی - استاد جعونہ منجنیقی نے حکم لگایا کہ (منجنیق کا) پچھلا پایہ دو درع کاٹ کر پتھر چلایا جائے تو عین (دیبل کے) مندر کی چوٹی پر پڑے گا - چنانچہ پایا کاٹا گیا اور پانسو رسن کشوں نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ پتھر کھینچ کر مارا تو دو نشانوں میں مندر کی چھت دھڑام سے نیچے آ گری۔"

(جلد اول - ص ۸۳)

۲۔ "(بلبن سے) تقدیر کو بڑے کام لینے تھے، ورنہ ان دنوں سیاست کے کھیل میں گردن کٹ جانے کی تقریباً اتنی ہی اہمیت تھی جتنی آج کل کرکٹ کے میچ میں کسی کھلاڑی کا نام کٹ جانے کی ہوتی ہے"۔ (ص ۱۹۶)

۳۔ "وہ (سلطان غیاث الدین تغلق) ترکوں کے قبیلہ "کرونا" کا غریب آدمی تھا، جو شروع میں سندھ آیا اور سلطان علاؤ الدین کے بھائی اُلغ خاں کی فوج میں بہت ادنیٰ درجے کی نوکری سے بڑھا اور بتدریج سردار و سپہ سالار اور بادشاہی کے مرتبے پر پہنچ گیا - وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ"

(ص ۳۰۲)

۴۔ "اگر ہم افکارِ حاضرہ یا خلافتِ اسلامی کی کسوٹی پر ان بادشاہوں کو پرکھیں گے تو اکبر کی کیا تخصیص ہے، اکثر پرانے سکے کھوٹے نکلیں گے"۔ (ص ۴۹۶)

۵۔ بعض انگریزی تاریخیں پڑھ کر یہ گمان گزرتا ہے کہ لکھنے والوں کو ابھی تک

اورنگ زیب ایک زندہ دیو نظر آتا ہے اور وہ دور سے تیر و تفنگ چلا کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں!" (ص ۵۴۳)

۶۔ "ایک مدت تک سفیروں کے قدم، منشیوں کے قلم، گھستے رہے، دکن کے عیار ارباب سیاست قابو میں نہ آئے ...... تہدید و عتاب سے کام نہ چلا تو مغل بادشاہ نے فوج کشی کی...... رفتہ رفتہ عالمگیر کی گرفت سخت ہوتی گئی۔ بیجاپور کو ہتھیار ڈالنے پڑے ......" (ص ۵۶۲)

جلد دوم سے:

۱۔ "محمد شاہ نے رحلت کی۔ مجاہد الدین احمد شاہ سلطنت کا وارث ہوا، جو کم اہل باپ کا ناخلف بیٹا تھا۔ ہفتوں بلکہ مہینوں حرم سرا سے باہر نہ نکلتا۔ اندر اس کی ماں اودھم بائی نے آفت اٹھائی تھی، باہر جاوید خواجہ سرا کی آقائی تھی۔ اس مجلس حکومت سے وزیر صفدر جنگ رفتہ رفتہ اتنا زچ ہوا کہ ایک روز دعوت میں بلا کے جاوید کو نابود کر دیا......" (ص ۸۳)

۲۔ "عہد انحطاط کے دستور کے مطابق غازی الدین سولہ برس کی عمر میں خطاب عماد الملک اور باپ کے عہدے (بخشی ممالک) کا وارث قرار پایا۔ پھر اس فتنے نے وہ وہ فیل وزارت کے لیے مچائے کہ خود بادشاہی بازیچہ طفلاں بن گئی" (ص ۸۴)

۳۔ "گو انگریز کی طاقت اور سیاست افغانستان کے امیر وزیر کو زیر کر سکتی تھی، ملت افغانیہ کی غیرت کو مغلوب کرنے میں ناکام رہی ...... بالآخر انہیں ایک ایسی مسلمان قوم سے سابقہ پڑا جو بدنی اور مادی افلاس کے باوجود ملی آزادی اور خودداری کو جان سے زیادہ قیمتی جانتی تھی۔ ہوس ملوکیت عین شباب کی بدمستی میں ان فاقہ مستوں پر چڑھ گئی اور بڑی چوٹ کھا کر توبہ پکارتی ہوئی واپس آئی۔" (ص ۲۷۳)

۴۔ "سید احمد صاحب بریلوی کی تحریک ...... ملی اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ مدت دراز کے بعد مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا آوازہ بلند ہوا۔ شرعی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ صدیوں سے بادشاہوں نے جہاد کے دینی فریضے کو جہانگیری

اور کشور کشائی کا بہ قنع بنا لیا تھا جس کسی غیر مسلم قوت سے لڑنے جاتے، جہاد کا جھنڈا میدان میں لاتے اور علمائے وقت کے فتوے پھریروں پر چپکا لیتے تھے۔" (ص ۲۶۱)

۵۔ "نفرت کی سرنگ کا پہلا بڑا دھما کا میرٹھ چھاؤنی میں ہوا۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک نئی قسم کی بندوق ...... فوجوں میں رائج کی گئی تھی۔ اس کے کارتوس کو چربی سے چکنا کیا جاتا تھا۔ پھر دانت سے کارتوس کا ایک سرا کترتے تھے۔ فرنگیوں کو کسی گندی گھناؤنی چیز کی حس نہ تھی، مگر ہندوستانی سپاہیوں میں یہ نیا کارتوس بدگمانی کا میگزین بن گیا۔ شمالی ہند میں آناً فاناً مشہور ہوا کہ اسے چکنا کرنے میں گائے اور سُور کی چربی لگائی جاتی ہے کہ ہندو مسلمانوں کا دین چکٹ جائے۔" (ص ۳۲۵)

یہ فقط مشتے از خروارے ہے۔ پوری تصنیف اسی ادبی مگر سنجیدہ اسلوب میں لکھی گئی ہے کہ کہیں رکاوٹ، تھکاوٹ، تکان یا بدمزگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی کتاب میں قومی زبان اُردو کا ایک نہایت انوکھا نظریہ بھی شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جس سے اس مفروضے کی تردید ہوتی ہے کہ اس زبان کی تشکیل وارتقاء میں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک ہیں۔

غرض یہ تاریخ ملت اسلامیہ کے لیے ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ جسے ادارۂ معارف اسلامی نے چھ سو صفحات کے دو حصوں میں نفیس کاغذ اور کتابت کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔